پروفیسر علی احمد فاطمی

شعبہ اُردو، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد (انڈیا)

فطرت، فلسفہ اور ٹیگور

Abstract:

Rabindranath Tagore is a renowned figure of Indian Art of late 19th and early 20th century. His fiction and poetry encircles his personal and contemporary socio-political situation. He received Nobel Prize of literature in 1913 and became the voice of India's spiritual heritage for the world. In this article, salient features of his poetry and fiction in the context of his practical life has been discussed.

Keywords:

Tagor Indian Nobel Heritage Art Nature Falsfa Tagor

ہر بڑا شاعر اپنی دنیا خود خلق کرتا ہے۔ پیمانے کچھ بھی ہوں لیکن سچ یہ ہے کہ دنیا کی ہر بڑی شاعری کے لئے بنائے ہوئے پیمانے اکثر چھوٹے ہی ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے کچھ اور پیمانے چاہئے۔ جیسے عظیم شاعر مرزا غالب نے کہا تھا:

؎ کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے

بلا شک و شبہ ٹیگور کا شمار بھی عظیم شاعروں میں ہوتا ہے۔ ٹیگور کی عظمت کو سمجھنا ہے تو اولاً ان کی فطرت کو سمجھیے۔ ان کے ماحول ماحول کی پابندی اور ان پابندی کو توڑتی ہوئی بے آواز صدا کو بھی سمجھیے۔ جس کو سننا اور سمجھنا آسان نہیں۔ پھر ہوتا یہی ہے کہ ہم اپنی کم سماعتی اور کم فہمی کو شاعر کی کج ادائی سے جوڑ کر اسے کم رتبہ بنانے کی ناسمجھ کوشش کرنے لگتے ہیں۔ لیکن بڑا شاعر تو ہمارا آپ کا امتحان بھی لیتا ہے۔ اور اس کی بڑی شاعری بلندی پر کھڑی مسکراتی رہتی ہے جو حیرت انگیز ہوتی ہے اور نغمہ ریز بھی۔ تفصیل میں جائے بغیر اتنا جاننا کافی ہوگا کہ ٹیگور ایک زمیندار گھرانے اور قصباتی ماحول کی روایتی نگہبانی میں پروان چڑھے۔ جہاں ابتداً فطرت اور عورت دور دور تھی۔ لیکن جو اشیاء دور ہوتی ہیں زیادہ پر کشش ہوتی ہیں۔ ان کی خوشبو سونگھنے اور ان کو قریب سے دیکھنے کی للک اور لالچ از خود وجدان میں نمو پانے لگتی ہے خصوصاً حساس فنکار اور معصوم اداکار کے ذہن میں۔ اس پر طرّہ یہ کہ ان کا خاندان، والد بڑے بھائی وغیرہ سبھی ادب پرست تھے۔ اپنے کلچر سے پیار کرتے تھے۔ اور اتنا

ہی اپنے وطن سے بھی۔ان کے درمیان ٹیگور کا معصوم ذہن پروان چڑھا،نوجوانی کا وہ دور ٹیگور کی حسیات کا بے حد اہم دور تھا۔خود لکھتے ہیں۔''وہ دور' میرے لئے دیوانگی کا دور تھا۔''اور ایک جگہ یہ بھی لکھتے ہیں ۔

''کوئی شخص اگر یہ سوچے کہ یہ تمام چیزیں محض شاعرانہ خیال ہیں تو یہ اس کی بھول ہوگی نوجوانی کے شروع میں ایسے واقعات جن کے لوازمات سے زندگی قائم ہوتی ہے جب تک اس میں استحکام نہیں آجاتا وہ لوازم ہنگامہ مچاتے رہتے ہیں۔'' (میری یادیں)

ٹیگور پوری سچائی سے اعتراف کرتے ہیں کہ نوجوانی اور کم سنی کے اس دور کی تخلیقات میں خامیاں تو ہوتی ہی ہیں' بعد کے دور میں اسے پڑھیے تو پچھتاوا ہی ہوتا ہے لیکن اس کے بعد یہ بھی کہتے ہی کہ ۔

''وہ عمر تو خامیوں کی ہی ہوتی ہے لیکن یقین ہے کہ وہی کم سنی اعتماد حاصل کرنے امید لگانے اور خوشیاں منانے کی عمر ہوتی ہے۔''

اور یہ بے حد قیمتی جملہ ۔

''ان خامیوں کو اگر ایندھن بنا کر جوش وجذبہ کی آنچ سلگتی رہے تو جسے راکھ بننا ہو تو وہ راکھ میں تبدیل ہو ہی جائے گی لیکن اس آگ کی جو کارکردگی ہے وہ اس زندگی میں کبھی ناکام نہیں ہوگی۔''

(میری یادیں)

عہدِ طفولیت کے گھیرے، دور سے فطرت کے نظارے، پھر رفتہ رفتہ سمٹتے دائرے، کھلے آسمان کے نیچے، ناریل کے پیڑ کے سائے میں، رومان وجدان کے غبار میں باپ کی تربیت، بڑے بھائی کی محبت، رسالہ بھارتی کی اشاعت غرض کی ان سب عناصر نے ٹیگور کے اندر نمو پانے والے معصوم فنکار کو فطرت اور کلچر سے بے پناہ پیار کو جگا دیا۔اس بیداری کا تعلق صرف جزبہ وطن پرستی نہ تھا بلکہ فطرت اور کلچر کے تئیں والہانہ سپردگی بھی تھی ۔ رفتہ رفتہ یہ وابستگی اور محبت عورت، تعلیم وتربیت وغیرہ کو لے کر ایک بے نام سا تجسس بھی بیدار ہونے لگا جس نے آگے بڑھ کر تفکر وتعلق کی جگہ لے لی۔فطرت میں اگر تجسس شامل ہو جائے اور کلچر میں تفکر، زندگی کی بوالعجبی اور انسان کی کرشمہ سازی تو سب کچھ از خود فکر وفلسفہ کا حصہ بنتے چلے جاتے ہیں۔فطرت اس کی خوبصورتی، تنہائی، تنہائی میں سرسراہٹ ندی کی گنگناہٹ، پرندوں کی چہچہاہٹ خود سے زندگی کی پراسراریت کو ہوا دینے لگتی ہے۔زندگی عطر بیز بھی ہوتی ہے اور نغمہ ریز بھی۔

زندگی کے اس سفر میں ولایت جانے سے قبل اپنے سنجھلے بھائی سے ملنے احمد آباد گئے تو ان کے محل نما مکان کا یہ منظر ملاحظہ کیجئے ۔

''اس محل کی دیوار کے قدموں میں موسم گرما کی پتلی سی صاف شفاف سا سابرمتی ندی ایک کنارے پر ریت کے ساتھ بہتی تھی۔اس ندی کے ساحل پر محل کے سامنے ایک بڑی سی کھلی چھت تھی۔اس بڑے مکان میں میرے سوا کوئی نہیں رہتا تھا۔۔۔۔۔آوازوں میں اگر کوئی آواز سنی جاتی تھی تو وہ صرف دوپہر میں کبوتروں کی گٹرگوں کی آوازیں ہی تھیں۔اس وقت میں ایک بلاسبب تجسس خالی گھر میں پھرتا رہتا تھا۔'' (میری یادیں)

مکان کا یہ خالی پن اور کبوتر کی گٹر گوں اور اس سے زیادہ شفاف سابرمتی ندی وغیرہ اس خالی پن کو رومانی فکر وخیال بلکہ پرواز سے کس قدر مالا مال کر رہی تھی اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے لیکن یہ اندازہ بھی وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو حساس ہیں سنجیدہ ہیں اور غور وفکر کا جذبہ رکھتے ہیں وہی لوگ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ الماری میں رکھی ٹینی سن کی کتاب وہ اثر نہ ڈال سکی جو کبوتر کے گٹر گوں اور کوئل کی کوک نے ڈالی۔ خود لکھتے ہیں:

''ان نظموں کے مقابلے میرے لئے کوئل کی کوک زیادہ اثر دار تھی۔''

اسی مقام پر جب وہ سنسکرت کی بعض کتابیں الٹتے پلٹتے ہیں تو سمجھ میں یہ آنے کے باوجود بحروں کی روانی، سحر آفرینی ڈھول کی تھاپ کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ شعر وادب میں فطرت، فطرت میں شاعری اور شاعری میں چاندنی کا احساس ٹیگور کی حسیت وجذباتیت کا غیر معمولی حصہ بنتی چلی جاتی ہے۔ اور وہ جوانی چاندنی اور ندی کی روانی میں نہا اٹھتے ہیں۔ ان کی چہل قدمی میں شاعری کے گھنگھرو بجنے لگتے ہیں۔ خود لکھتے ہیں ؎

''چاندنی راتوں میں ندی کی جانب پھیلی ہوئی چھت پر ٹہلنا میرا ایک خبط تھا۔ اس چھت پر راتوں کو ٹہلتے ہوئے میں نے اپنے ہی دھنوں میں مزیّن گیت لکھے۔ ان میں سے 'بلی او مار گولاب بالا' (گلاب کے پھولوں سے خطاب) کے عنوان سے یہ گیت آج بھی میرے شعری مجموعے کی زینت ہے۔''

سچ یہ ہے کہ بچپن کی پابندی، فطرت سے دوری، عورتوں سے دوری غرضیکہ ابتداً دوری ہی دوری تنہائی اور دوری کبھی کبھی ذہن میں خوابوں کا ایک ہیولیٰ تیار کر دیتی ہے۔ خوابوں کا سلسلہ شروع کر دیتی ہے پھر خواب ایک کردار کا روپ لے لیتے ہیں۔ پھر وہی کردار غیر شعوری طور پر فنکار کی نفسیات وحسیات کا معصوم و پاکیزہ حصہ بن جاتے ہیں جہاں چاندنی چمکنے لگتی ہے۔ دریا لہرانے لگتا ہے۔ شجر جھومنے لگتے ہیں اور پرندے چہکنے لگتے ہیں۔ ان سب کی چمک، رمق اور دمک میں فطرت پسند انسان وحساس شاعر زندگی کی آواز سننے لگتا ہے' کبھی کبھی یہ آواز' آواز جرس بنتی ہے تو کبھی بانگ رحیل، کبھی اقبال کے یہاں خضر سے سوال کرنے لگتی ہے تو کبھی ٹیگور کے یہاں فطرت اور حسن فطرت سے بغل گیر ہوتی ہے اور شاعر کے جذبہ واحساس میں گھل مل کر شاعر کی اپنی فطرت اور حسیت ہی رچ بس جاتی ہے۔ شاید اسی لئے آکسفورڈ انگلش ڈائری میں فطرت یعنی نیچر کے معنی دیے گئے ہیں ؎

''کسی شخص یا شئے کی فطری خصوصیات یا کردار، فطرت یا طبیعت، وہ طبعی طاقت جو اس عالم مادیت کے کارخانے کو چلاتی ہے۔''

ایک طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ خارجی فطرت ہی شخص وشاعر کی باطنی فطرت کو جنم دیتی ہے۔ ٹیگور بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے برطانیہ گئے۔ برطانیہ میں ایک نئی دنیا تھی جو ٹیگور کی دیکھی ہوئی دنیا سے قدرے مختلف' صاف اندازہ ہوا کہ ___ ''دنیا کی جو شکل دیکھی ہے یہ وہ شکل نہیں ہے۔ یہ گویا ایک خواب ہے یا کچھ اور'' ___ یہ احساس بھی انھیں وہاں کی فطرت کو محظوظ کر کے، برف سے ڈھکی ہوئی زمین کو دیکھ کر ہوا انھیں لگا کہ ہر قریب کی چیز دور چلی گئی ہے اور ہر شئے برف سے ڈھکی گیان دھیان میں مصروف ہے۔ کلکتہ اور کائنات باہم شیر وشکر ہونے لگے۔ سچ یہ ہے کہ فطرت دونوں کے مابین

نقطۂ اتصال تھی۔ پھر فطرت فکر میں تبدیل ہوتی ہے اور ایک مانوس سا ربط پیدا ہوتا ہے جو جغرافیائی اجنبیت کو دور کر کے اکثر بڑے ذہنوں میں نمودار ہوتا ہے۔ خواہ وہ کسی مقام۔ ماحول اور علاقہ کے ہوں۔ اسی لئے لندن میں رہتے ہوئے ٹیگور یہ کہنے میں ہچکچائے نہیں ___ ''کسی ایک مقام پر کسی فکر کی توانائی جمع ہو جاتی ہے تو وہ دوسری جگہ رازدارانہ طور پر دوسری طرف منتقل ہو جاتی ہے ___ ''جو کبھی کبھی فطرت کی حیرت زائی سے گونگا بھی کر دیتی ہے اس لئے کہ وہ وقت تخلیقی عمل کا کم' فطرت کے امتزاج وانجذاب کا زیادہ ہوتا ہے جس کے پہلو در پہلو سے نظمیں جنم لیتی ہیں۔

لندن میں ایک غیر معمولی فطری منظر سے متاثر بلکہ غرق ہونے کے بعد ہزار کوششوں کے باوجود وہ نظم نہیں کہہ پائے لیکن ایک بار جب شعوری طور پر نظم کہنے کا ارادہ کیا تو ان پر کیا گذری انھیں کی زبان سنیے ۔

> ''ایک دن ہاتھ میں بیاض اور سر پر چھتری لے کر نیلے سندر (آسمان) اور سمندر کے کنارے پہاروں کے درمیان ایک شاعر کے فرائض ادا کرنے گیا۔ میں نے خوبصورت جگہ کا انتخاب کیا تھا ......ایک سالم ساحلی پتھر سدا سمندر کی طرف جھکا سا تھا' جھاگ کی لکیریں رقیق نیلے رنگ کے جھولے پر دن کے نیلے آسمان پر جھولا جھولتے ہوئے گیت میں مگن ہو کر مسکراتے ہوئے سو رہی ہیں......عقب میں قطار میں کھڑے صنوبر کے خوشبودار سائے جنگل کے آنچل کی طرح لہرا رہے ہیں۔ اسی پتھر کی مسند پر بیٹھ کر مگنتری (غرقاب کشتی) کے عنوان سے ایک نظم کہی تھی۔ وہی سمندر کے پانی میں ڈال کر آ جانے پر شاید آج بیٹھ بیٹھ کر سوچتا کہ وہ نظم تو اچھی ہوتی تھی لیکن وہ راہ تو مسدود ہو گئی ہے۔'' (میری یادیں)

لیکن وہ نظم بھی وہیں غرقاب ہو گئی۔ نظم تو کسی طرح ہو گئی لیکن راستے مسدود کر گئی اور یہ احساس بھی دلا گئی کہ شاعری اور مصوری میں بہرحال فرق ہوا کرتا ہے۔ ٹیگور نے اس نظم کو اپنے مجموعے سے خارج کر دیا کہ اس میں باہر کا حسن زیادہ تھا۔ اندر کا حسن کم۔ صرف آنکھوں سے دیکھ کر اور دل میں ڈوب کر نظم کہنے کے درمیان کیا فرق ہوا کرتا ہے۔ فطرت کیا ہوتی ہے حسن فطرت کے کے احساسات تخیل و وجدان کا نرم و نازک حصہ کس طرح بنتے ہیں۔ یہ بات قلم، کاغذ اور نیلی چھتری سے طے نہیں ہوتی۔ یہ ایسا احساس ہوتا ہے جو ناقابل بیان ضرور ہوتا ہے لیکن پھر بھی آگے چل کر ٹیگور نے 'حسن کا احساس' کے مضمون میں اس کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے ۔

> ''انسان بالآخر اس بات سے واقف ہو گیا ہے کہ یہ صرف اس کے ادراک کی محدودیت ہے جو اس کے جمالیاتی شعور کے میدان کو حسن اور بدصورتی میں تقسیم کرتی ہے۔ جب اس میں چیزوں کو ذاتی مفاد اور حواس کے فقدان کے مسلسل مطالبات سے الگ کر کے دیکھنے کی قوت پیدا ہو گی۔ تب ہی اس میں ہر طرف پھیلے ہوئے حسن کو دیکھنے کی بصیرت حاصل ہو گی۔ اسی وقت یہ محسوس کر سکتا ہے کہ جو چیز ہمیں خوشگوار نہیں لگتی وہ لازمی طور پر بدصورت نہیں بلکہ حقیقت میں حسین ہوتی ہے۔''

عمر کی اس منزل پر جب سچائی کی روشنی پورے طور پر واضح نہ ہو فلسفۂ حیات سمجھنے کا شعور نہ ہو پھر وہاں فطرت اپنا کام کرتی ہے۔ شفق کی لالی ادراک بن کر رگِ جاں میں اتر جاتی جاتی ہے شام کا دھندلکا ایک نئی روشنی دیتا ہے خونِ جگر ٹھاٹھیں مارتے

ہوئے سمندر کا روپ اختیار کر لیتا ہے کم و بیش یہی کیفیت ان کی نظم ''دل شکستہ'' میں پائی جاتی ہے جسے انھوں نے محض اٹھارہ برس کی عمر میں کہا تھا۔ اس عمر میں سبھی چیزیں اٹھارس برس کی ہو جاتی ہیں۔ حقیقی دنیا بھی تصورات کے دھند میں لپٹ جاتی ہے۔ کچھ اشارے ہوتے ہیں، کچھ سائے، کچھ حقیقت ہوتی ہے تو اس سے زیادہ رومان اور سر پر نیلا آسمان اور زمین پر تخیل و وجدان۔ مادی دنیا سے دور، ایک ایسا انسان جہاں صرف دل کا معاملہ ہوتا ہے دماغ کا نہیں، دنیا کا تو بالکل نہیں۔ ایک منظّم سی بدنظمی۔ ایک بے ترتیب سی ترتیب، کیا اچھی بات ٹیگور نے کہی ہے ؎

''اسی طرح ناپختہ ذہن کے جھٹ پٹے میں بے شمار جذبات عجیب و غریب شکل اختیار کر کے ایک بے نام سا سمت اور لامتناہی جنگل کے سائے میں گھومتے رہتے ہیں۔''

یا

''جب زندگی ایک ناکام حالت میں خوابیدہ صلاحیتیں اجاگر ہونے کے کوشاں رہتی ہیں جب سچائی کو ہم دیکھ پاتے ہیں اور وہ ہمارے بس سے باہر نہیں ہوتی ہیں' تب وہ کثرت کے ذریعہ ہی اپنا اعلان کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔'' (میری یادیں)

عنفوانِ شباب سے وابستہ فطرت کی یہ پاکیزہ کیفیت اور معصوم سی یہ خلش و تپش اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک زندگی کے تلخ ایام اور گردش صبح و شام اسے اخلاقیات کی ایک نئی دنیا میں نہیں لے جاتی مشکل یہ بھی ہے کہ اکثر زندگی دل کی ان کیفیتوں سے دور صرف دماغ بلکہ اکثر بے دماغی بلکہ بد دماغی سے ٹکراہٹوں میں مبتلا رہتی ہے۔ لیکن یہاں بھی ٹیگور جیسا بڑا ادیب فطرت کو انسانی فطرت میں بدل کر دیکھتا ہے سماج کے پیچ و خم، سرد و گرم کو آنکنے کا ایک راستہ راست نوعیت کا ہوتا ہے جو اکثر غیر ادب ہوتا ہے لیکن اس الجھن کو ذہن اور وژن دینے کا کام شیکسپیر، غالب جیسے بڑے فنکارروں نے کیا۔ ٹیگور بھی کہتے ہیں ؎

''دل کو جہاں اخلاق اور سلوک کی چادر میں چھپے ہونے کے باعث اپنی مکمل شناخت پیش کرنے کا موقع فراہم نہیں کرتا وہاں آزاد اور سرگرم دلوں کے کارناموں کے دیپک راگ سے ہم متعجب ہو گئے تھے۔''

اس دیپک راگ کے سُر انیک ہیں جو کبھی تو بائرن کی شاعری میں سنائی دیتے ہیں کہ انقلاب فرانس کے بعد فرانس کے، مذہب سماج کے دل کو بائرن نے فطرت میں بدل دیا۔ انگریزی کی رومانی شاعری اور رومانی تحریک پس پردہ فطرت کے رول کی نمائندگی کچھ اسی طرح کے دلی جذبات کے ترجمان کرتی ہے۔ اردو میں بھی اقبال، جوش، فیض وغیرہ کی نیم رومانی فلسفیانہ شاعری سماج کو فطرت اور فطرت کو سماج میں بدلتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہے۔ ٹیگور کی نظموں اور گیتوں کو بھی سر سنسار ملا۔ خود لکھتے ہیں ؎

''انگریزی ادب کے یہی رجحان ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں خصوصی طور پر سرایت کر گیا تھا۔ اسی سرگرمی کی لہروں نے بچپن میں ہم لوگوں پر چاروں طرف سے حملہ کیا تھا۔ اس لئے پہلی بیداری کے ایام ضبط کے نہیں بلکہ جوش و ولولہ کے ہی تھے۔''

اور یہ قیمتی جملے ؂

''دلی جذبات محض ادب کا ایک آلہ ہے یہ مقصد نہیں ہے۔ادب کا مقصد مکمل حسن، ضبط اور سادگی ہے۔اس بات کو انگریزی ادب نے کبھی تسلیم نہیں کیا ہے۔''

ٹیگور کا خیال ہے کہ شعر وادب میں سچائی کو دماغ سے زیادہ دل سے قبول کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ادب میں اس کو دل سے محسوس کرنا ہی اس کا با معنی اور با مقصد ہوتا ہے۔ٹیگور کے اس خیال سے اختلاف کی گنجائش نکل سکتی ہے لیکن آگے چل کر ان کے با معنی میں با مقصد بھی جڑتا چلتا ہے اور یہ احساس بھی کہ انھوں نے ادب، شاعری، حسن وغیرہ کے بارے میں جو کچھ سوچا وہ پورے طور پر درست ہو۔کچھ غلطیاں ان سے ہوئی ہیں یہ اعتراف انھوں نے ترقی پسند تحریک کے تعلق سے دیئے گئے پیغامات اور خطبات میں کئے ہیں۔ یہاں ان کے خیالات کو غلط ثابت کرنا یا ان کے خیالات کی تردید کرنا ہرگز مقصد نہیں ہے بلکہ صرف اتنا کہ ان کی زندگی میں فطرت کا کیا رول اور سچائی وحسن کی تلاش میں فطرت کس طرح کروٹ بدل بدل کر فکر کا روپ دھارن کرتی رہی اور شعر وادب کے بارے میں ان کے نرم و نازک افکار کو جنم دیتی رہی۔اس کا طائرانہ اظہار۔ٹیگور نے بار بار اس بات کا اظہار کیا ہے کہ میں صرف اپنے دلی جذبات پر یقین رکھتا تھا اور اسی جذبہ کو ایک آگ کی طرح روشن کرنا چاہتا تھا اور اس آگ کی روشنی میں حیات وکائنات کو سمجھنا چاہتا تھا۔سچائی کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔یہ تلاش اور یہ آگ ان کے زلفوں وگیتوں روح بن کر دوڑیں تبھی وہ کہتے ہیں ؂

''گیتانجلی میں میرے جو گیت ہیں وہ میں نے قصداً نہیں لکھے ہیں۔دراصل یہ میری روح کی آوازیں ہیں۔میری روح کی عبادتیں ہیں ان کے اندر میری زندگی کے وہ سارے دکھ سکھ ہیں وہ ساری بندگیاں ہیں جو الفاظ کا روپ دھارن کر چکی ہیں۔''

اور یہ جملے ؂

''ایک ذہنی تفکر دل کے سرور کے لئے انتہائی ضروری ہے۔دکھ سے کنارہ کشی کی خواہش نہیں بلکہ صرف اس کی لہریں ہی لطف اندوزی کا سامان ہوا کرتی ہیں۔اسی لئے تو شاعری میں اس کا بازار گرم ہوگیا۔''

ملاحظہ کیجئے اردو شاعری میں جہاں غم کو دولت غم، نشاط غم یا فلسفہ غم کہا گیا اور غم کے چلے جانے پر ساری کائنات کو چلے جانے کو کہا گیا (غم گیا ساری کائنات گئی) لیکن ٹیگور کے یہاں اردو شاعری کا روایتی غم نہیں ملتا۔ذاتی غم بھی نہیں ملتا۔غم کے اشارے ملتے ہیں اور کہیں کہیں سائے جیسے وہ فطرت کے بڑے فلسفہ میں ڈھال کر رومانی بنا دیتے ہیں جو آگے چل کر وجدانی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔گھر کی زمیندارانہ کیفیت اور پدرانہ تربیت کی وجہ سے ٹیگور اپنی ذات میں محصور رہے جس کا اعتراف انھوں نے بار بار کیا ہے۔لیکن یہ حصار ایسا نہ تھا کہ جو دنیا سے بیگانہ کر دے۔تعلق کو ختم کر دے۔شاید اسی کو دیکھ کر اردو کے ممتاز ترقی پسند ناقد اختر حسین رائے پوری نے ٹیگور پر فراریت کا الزام بھی لگایا۔خود ٹیگور نے بھی کہا تھا کہ ایک وقت تھا جب میں خود ہی اپنی ذات میں کھویا ہوا تھا بے سبب احساسات اور بے مقصد آرزوؤں کے مابین میرا تصور مختلف بھیسوں میں سرگرداں تھا۔اس طرح کی نظمیں 'دل کی وحشتیں' میں شامل ہیں۔ٹیگور کا بڑا گھر اور اتنی ہی بڑی تنہائی

چنانچہ دل تنہا، جسم تنہا تو دماغ بھی تنہا ہو ہی جائے گا۔ لاشعوری طور پر وہ تنہائی کی فطرت اور فطرت کی تنہائی کے قریب تر ہوتے گئے۔ ایسے ہی ایک احساس جاگا کہ:

''میرا اتمام تر اندرون جاگ اٹھا دیکھا جو بھی لکھتا تھا وہ مکمل میرا ہی ہوتا تھا، بیرون کی دنیا قریب سے سمجھنے کے لئے اندرون کا جاگنا ضروری ہوا کرتا ہے''۔

حالانکہ ٹیگور یہ بھی کہتے ہیں:

''اسے کوئی بھی باعث فخر محسوس نہ کرے لیکن ہوتا کچھ یوں ہے کہ یہ تنہائی اور اس کی شدت پہلے اصولوں کو توڑتی ہے اس کے بعد اصولوں کو خود اپنے اختیار میں لیتی ہے۔ تب وہ صحیح معنوں میں آپ کے اختیار میں ہوتی ہے۔''

بعد میں ٹیگور کا یہی رویہّ اپنی شاعری کے بارے میں بھی رہا۔ یہی نہیں وہ آرٹ اور فن کے بارے میں بھی ایک الگ قسم کی رائے رکھتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں ؎

''ہم دماغ بھی رکھتے ہیں اور دماغ اپنی خوراک تلاش کرتا ہے۔ دماغ اشیا میں منطق تلاش کرتا ہے۔ اس کا مقابلہ صداقتوں کی کی مختلف النوع پہلوؤں سے پڑتا ہے اور وہ الجھ کر رہ جاتا ہے جب وہ چیزوں کے متضاد پہلوؤں میں کوئی اصول وحدت تلاش کرنے میں ناکام رہتا ہے۔''

ساتھ میں وہ یہ بھی کہتے ہیں ؎

''انسان کی ذاتی شخصیت جسمانی اور دماغی ضرورتوں سے برتر اور ماوراس مقام پر ہے جہاں وہ بیکار اور مفید ہونے کے پہلوؤں سے آزاد ہے۔ یہ انسان میں سب سے بلند عنصر ہے یعنی اس کی ذاتی شخصیت اس وسیع وعریض دنیا سے اس کے اپنے ذاتی رشتے ہیں اور وہ اپنی ذات کی تشکیل کے لئے اس سے وابستہ ہے۔''

صدفی صد خارجی دنیا میں جینے والوں اور آرٹ وفن کو بھی اسی انداز سے برتنے والوں کو ٹیگور کے اس خیال سے اختلاف ہوسکتا ہے اور ہوا بھی لیکن ان سب کے باوجود یہ تو تسلیم کیا گیا ہے کہ ٹیگور کی فطرت اور فلسفہ دونوں ہی اس وسیع وعریض دنیا سے ماورائی انداز سے سہی رشتے تو بناتی ہے جہاں فطرت حسن اور فلسفہ حسن خود ایک اپنی دنیا بنالیتا ہے جسے آسانی سے سمجھ پانا عموماً مشکل ہوا کرتا ہے اسی لئے ٹیگور کا کہنا ہے کہ باہر کی دنیا ایک طرح سے میکانکی رویوں کا ڈھیر ہوتی ہے۔ ہمارے لئے کچھ اشیا ضرور پیدا کر جاتی ہیں لیکن احساس کی دنیا میں یہ محض پرچھائیاں ہوتی ہیں اس لئے کہ احساس وتصور کی دنیا لامحدود ہوتی ہے جہاں سائنس بھی اپنا منہ موڑ لیتی ہے اور یہ اعلیٰ مقام آرٹ اور فن حاصل کر لیتا ہے اور بڑی شاعری اسی نقطۂ عروج سے جنم لیتی ہے۔ اس کو آپ جو بھی نام دیں۔ بیگانگی، تنہائی یا احساس کی گہرائی ۔ ٹیگور یہیں سے الگ ہوتے ہوئے اپنی منفرد ومعیاری پہچان بناتے ہیں۔ ٹیگور پر لکھتے ہوئے فراق گورکھپوری نے ایک مضمون میں ٹھیک ہی لکھا تھا ؎

''بات یہ ہے کہ شعرا فلسفیوں کی طرح منطق میں اپنے کو محدود نہیں رکھ سکتے ان کو اس کی

ضرورت نہیں کہ اپنے کمال اور تخیل کو منطق پر قربان کر دیں قیود منطق سے کلام ٹیگور بالکل آزاد ہے۔''

ایک جگہ اور لکھتے ہیں ؎

''ٹیگور کا کلام ڈرامیٹک آرٹ کا اعلیٰ نمونہ اور شاعرانہ بیگانگی کی بہترین مثال ہے...... یہ انتہا درجے کی بیگانگی اور انتہا درجے کی ہمدردی ٹیگور کی کامیابی کا راز ہے۔''

فراق کے ان جملوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے وہ بیگانگی کے ساتھ ہمدردی لفظ کا بھی استعمال کرتے ہیں اگر صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے کہ یہ ہمدردی کیا ہے اور کس نوعیت کی ہے۔ یہ ہمدردی فطرت سے ہے۔ عورت سے ہے۔ انسان سے ہے یا پوری کائنات سے۔ اس ہمدردی کا بے محابا اعلان نہیں ہے یہ تخیل و تصور کی پرواز سے جنم لیتی ہے اور فطرت میں سما جاتی ہے اسی لئے فراق یہ لکھنے پر مجبور ہوئے ؎

''ٹیگور کے تخیل کی وسعت و جولانی محتاج بیان نہیں۔ وہ ہر طرح کے انسانوں اور انسان کے مختلف جذبات کی کیفیتوں کو ایسا اپنا لیتے ہیں اور اس میں شاعرانہ جوش و خروش و یگانگی اس طرح کوٹ کوٹ کر بھر دیتے ہیں گویا وہ ان ہی کا حصہ ہے......ان کا تخیل فطرت انسانی پر اتنا حاوی ہے اور ان کی شاعری اصلیت میں اس قدر ڈوبی ہوتی ہے گویا انھوں نے اپنی شخصیت میں تحلیل کر دی ہے۔''

اس لئے اگر آپ کو ٹیگور کی شاعری۔ افسانہ نگاری کو سمجھنا ہے تو پہلے ٹیگور کو سمجھنا ہوگا۔ ان کا ذہن، ان کی نفسیات، ان کے جذبہ فطرت اور احساس حسن کو سمجھنا ہوگا جس میں فطرت اور حسن کی نزاکت، پر اسراریت اور حرارت کا ایک ایسا طوفان لہریں مارتا نظر آئے گا جس کو پکڑنا آسان نہیں' اس لئے کہ یہاں جذبہ، تخیل، تصور، تفکر، تصوف سبھی پوری لطافت اور گھلاوٹ کے ساتھ شیر و شکر ہو جاتے ہیں اور مسرت سے بصیرت تک کا ایک غبار آمیز اور شبنم ریز سفر طے کرتے ہیں۔ مسرت کے بارے میں وہ کہتے ہی:

''کوئی چیز اسی وقت مکمل طور پر ہماری اپنی ہوسکتی ہے جب وہ ہمارے لئے مسرت بخش ہو......''

اس جملے سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ ٹیگور مسرت کو علیحدگی (ISOLATION) میں نہیں لیتے یا ان کا تصور فطرت و مسرت ماورائی نہیں ہے۔ وہ زندگی کے اشیا کے ذریعہ ہی مسرتوں تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے باطن کا احساس خارج سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ فطرت سے، عورت سے، فکر و عمل سے، رومان وجدان سے غرض کہ پوری کائنات سے وہ خود کہتے ہیں:

''حسن ہر طرف ہے اس لئے ہر چیز سے ہمیں مسرت حاصل ہوسکتی ہے......یا سچائی ہر جگہ موجود ہے اس لئے ہر چیز علم کے دائرے میں ہے۔''

وہ یہ بھی کہتے ہیں جیسے جیسے ہمارا شعور بیدار ہوتا جائیگا حسن جمال تیز تر ہوتی جائے گی یوں بھی مذہبی کتابوں میں اس کے اشارے ملتے ہیں کہ کائنات کی تخلیق ایک لامحدود مسرت کے لئے ہی کی گئی ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ ٹیگور فطرت، صداقت، حسن وغیرہ کو الگ الگ نہیں دیکھتے وہ اسی دنیا اور معاشرے سے جوڑ کر دیکھتے ہیں۔ ان کی یہ وابستگی اور ہم آہنگی

انھیں انفرادیت اور فراریت دونوں سے بلند کر دیتی ہے لیکن ان تمام تذکروں کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دنیا میں بدصورتی نہیں ہے، جھوٹ نہیں ہے ایک جگہ لکھتے ہیں ۔

''جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر طرف حسن ہی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنی زبان سے بدصورتی کا لفظ خارج کر دیا جائے ۔ یہ کہنا اتنا ہی بے معنی ہے جتنا کہ یہ کہنا کہ جھوٹ کچھ نہیں ہے ۔ یقیناً جھوٹ موجود ہے لیکن یہ جھوٹ کائنات میں نہیں بلکہ ہماری قوت ادراک میں اس کے منفی عنصر کے طور پر موجود ہے ۔ بدصورتی بھی اسی طرح ہماری زندگی میں حسن کے بگڑے ہوئے اظہار اور سچائی کے نامکمل احساس سے جنم لینے والے فن میں موجود ہے ۔ ہمارے اندر ہر چیز کے اندر موجود سچائی کے اس قانون کے خلاف ہم اپنی زندگی کو ایک حد تک برقرار رکھ سکتے ہیں ۔ اسی طرح ہر جگہ موجود ہم آہنگی کے ابدی قانون کے خلاف عمل کر کے ہم بدصورتی ہی میں اضافہ کر سکتے ہیں ۔ '' (حسن کا احساس)

ان تمام مکروہ سچائیوں کے باوجود وہ بدصورتی میں صورت اور غیر حسن میں حسن تلاش کرتے ہیں جیسے پریم چند نے تلاش کیا لیکن پریم چند کی تلاش میں زمینی صداقت اور حقیقت ہے اور ٹیگور کے یہاں رومانیت اور کہیں کہیں پر اسراریت جو انھیں فطرت کی پراسراریت اور حسن کی رمزیت سے جوڑتی ہے ۔ جسے بعض نقادوں نے روحانیت اور ماورائیت سے جوڑ کر دیکھا جو شاید غلط بھی نہیں ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی سریّت روحانی تصور میں ڈھل جاتی ہے اور کبھی رومانیت حقیقت ابدی کا روپ اختیار کر لیتی ہے ۔ بڑی شاعری یوں بھی رومانی احساسات اور سری تجربات یا تجربات کی سریت کی دین ہوا کرتی ہے جس کے لئے شعور علم سے زیادہ شعورِ کائنات ضروری ہوا کرتا ہے ۔ یہی شعور کائنات جب انسانی و آفاقی قدروں میں ڈھل کر شعری پیکر میں جذب ہوتا ہے تو ایسی بڑی بامعنی اور بامقصد شاعری ہر عہد میں اپنی معنویت کی روشنی بکھیرتی رہتی ہے اور وہ اپنے عہد کی سرحد پار کر کر کے ہمہ عہدی ہو جاتی ہے ۔ ویسے بھی جہاں نغمہ، نغمئہ حیات بن جاتے فطرت، فطرت کائنات ہو جائے جہاں آنسو موتی اور موتی آنسو بن جائیں ۔ اور جہاں بقول جوش ملیح آبادی:

''جہاں نوحوں کی گود میں راگنیاں پروان چڑھنے لگیں ۔ جہاں پلکوں کی نوک پر آسمان تولے جانے لگیں ۔ جہاں شعور کی چھلنی کائنات چھانی جاتی ہو ۔ جہاں اوس کی بوندو میں الاؤ روشن کئے جاتے ہوں جہاں بوئے گل محبت بن جاتی ہو ۔ ''

وہاں سے ٹیگور کی شاعری اور فنکاری جنم لیتی ہے ۔ ان کی غیر معمولی تصنیف سادھنا کی چند سطروں پر مضمون ختم کرتا ہوں ۔ ان کو پڑھیے اور پڑھنے کے بعد سوچیے کہ کیا ٹیگور صرف فطرت پسند تھے ۔ کیا ٹیگور کا عشق صرف قدرت سے تھا ۔ پوری کائنات سے نہیں تھا ۔

''ہمیں معلوم ہونا چاہئے ہر ملک انسانیت کا حصہ ہے اور ہر ایک کو اس سوال کا جواب دینا ہے! آپ کے پاس انسان کو دینے کے لئے کیا ہے، آپ نے خوشحالی کے کون سے نئے طریقے ایجاد کئے ہیں؟ جیسے ہی کوئی اس دریافت کے لئے ضروری حیات بخش قوت کھو دیتا ہے وہ مردہ زن یعنی

آفاقی انسان کی تنظیم کا ایک مفلوج رکن بن جاتا ہے۔صرف وجود باقی رہنا کوئی شان کی بات نہیں ہے۔

ہمارے عہد کی ایک نئی سچائی ایک نئی زندگی کی یہ موجیں ہیں جو ہمیں کام کرنے پر آمادہ کرتی ہیں ......تاہم روح کی اساس میں اس چاہت کا ایک رجحان ہے کہ سامان آرائش کے طور پر اپنی انفرادیت سے انسانیت وزینت بخشی جائے۔''

انفرادیت سے انسانیت تک کا یہ سفر یہ رجحان دنیا کے تمام رجحانوں کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے خواہ وہ اشتراکیت ہی کیوں نہ ہو۔ ٹیگور صرف اپنے عہد تک محدود نہیں تھے بلکہ ان کے اقدار وافکار انسانی مستقبل کی بصیرت رکھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ وہ کل ہمارے لئے جتنے اہم تھے آج بھی ہمارے لئے اتنے ہی اہم، کارآمد اور عظیم ہیں۔